تفہیم القرآن میں تقابلِ ادیان

عظمیٰ خاتون فلاحی ☆

اللہ تعالیٰ کی آخری کتاب ''قرآن مجید'' کی علمائے دین نے مختلف تفسیریں لکھی ہیں' تاکہ خدا کے بندوں کو خدا کے دین سے زیادہ سے زیادہ قریب آنے میں مدد دیں۔ان میں سے ہر ایک نے توفیقِ الٰہی کے مطابق قرآنی آیات کی توضیح وتفسیر فرما کر دین اسلام کی بیش بہا خدمت انجام دی ہے۔لیکن اگر اہلِ علم کی کسی مجلس میں موجودہ دور کی تفاسیر کا ذکر ہوگا تو اس میں مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ کی مشہور ومعروف اور مقبول ترین تفسیر ''تفہیم القرآن'' کا نام نمایاں طور پر سامنے آئے گا۔سید مودودیؒ نے اس تفسیر کو مکمل کرنے میں پورے تیس سال کی عرق ریزی اور محنت شاقہ سے کام لیا ہے۔یہ عظیم تفسیر ۱۹۴۲ء سے ماہنامہ ''ترجمان القرآن'' میں قسط وار چھپنا شروع ہوئی اور ۷/جون ۱۹۷۲ء کو ظہر کی نماز سے پہلے صاحبِ تفسیر نے اس کے آخری فقرے تحریر فرمائے۔چار ہزار سے زائد صفحات پر مشتمل اس تفسیر کو انہوں نے چھ ضخیم جلدوں میں منقسم فرمایا ہے۔ہر سورۃ کے شروع میں مولانا نے اس کے بارے میں ضروری بنیادی باتیں بھی درج کردی ہیں جو متعلقہ سورۃ کے تعارف کے لیے نہایت اہم اور معاون ہیں۔ان باتوں میں عام طور سے سورۃ کا نام' اس کی وجہ تسمیہ' اجزائے مضمون 'خطاب اور مباحث' زمانہ نزول اور شانِ نزول شامل ہیں۔ہر جلد کے آخر میں فہرست موضوعات کے عنوان سے اور حروفِ ابجد کی ترتیب سے موضوعات کا مختصر خاکہ بھی درج ہے۔

مولانا مودودیؒ کی یہ تفسیر حقیقت میں قرآنی علوم ومباحث کا بحرالعلوم یا دائرۃ المعارف (انسائیکلو پیڈیا) ہے۔اس میں جن مختلف مباحث وموضوعات پر سیر حاصل بحث ملتی ہے ان میں سے اکثر موضوعات ایسے ہیں کہ اگر ان کا مفصّل تذکرہ کیا جائے تو ہر موضوع کے لیے ایک بسیط کتاب لکھنے کی ضرورت ہوگی۔مثال کے طور پر اگر اس تفسیر کے ادبی محاسن کا ذکر کیا جائے تو یہ پہلو ایک کتاب کی ضخامت کا طالب ہوگا۔اسی طرح اس تفسیر میں جن عصری فتنوں کی نشان دہی اور ان کا حل پیش کیا گیا ہے' ان کا تذکرہ بھی کم از کم ایک کتاب کا حامل ضرور ہوگا۔یہی صورتحال تقابل ادیان کے موضوع پر دکھائی دیتی ہے۔بہرحال زیرنظر مضمون میں اس موضوع کو کم سے کم صفحات میں سمیٹنے کی کوشش کی گئی ہے۔

قرآن حکیم کی سب سے بڑی سورہ' سورۃ البقرۃ ہے۔اس میں جہاں متعدد مباحث ومضامین پر ارشاداتِ خداوندی موجود ہیں' وہیں تقابل ادیان پر بہت سی باتیں سامنے آتی ہیں۔مثلاً بنی اسرائیل کا ذکر حسبِ ذیل

☆ ریسرچ اسکالر شعبہ دینیات (سنی) علی گڑھ مسلم یونیورسٹی' علی گڑھ (انڈیا)

الفاظ سے شروع ہوتا ہے:

﴿یٰبَنِیۡۤ اِسۡرَآءِیۡلَ اذۡکُرُوۡا نِعۡمَتِیَ الَّتِیۡۤ اَنۡعَمۡتُ عَلَیۡکُمۡ وَاَوۡفُوۡا بِعَهۡدِیۡۤ اُوۡفِ بِعَهۡدِکُمۡ ۚ وَاِیَّایَ فَارۡهَبُوۡنِ﴿۴۰﴾﴾

''اے بنی اسرائیل! ذرا خیال کرو میری اس نعمت کا جو میں نے تم پر کی تھی۔ اور میرے ساتھ تمہارا جو عہد ہے اسے تم پورا کرو پس میں تمہارے عہد کو پورا کروں گا' اور مجھ ہی سے ڈرو۔''

مولانا نے اس آیت اور اس سے متعلق تفصیلات کے ضمن میں جو بحث کی ہے' وہ اس پوری تقریر کو سمجھنے کے لیے انتہائی ضروری ہے۔ مولانا کا اقتباس اگرچہ طویل ہے مگر تقابل ادیان کے ایک طالب علم کے لیے اس کی افادیت مسلّم ہے۔ فرماتے ہیں:

''اسرائیل کے معنی ہیں عبداللہ یا بندۂ خدا۔ یہ حضرت یعقوب علیہ السلام کا لقب تھا جو اُن کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا ہوا تھا۔ وہ حضرت اسحاق علیہ السلام کے بیٹے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پوتے تھے۔ انہی کی نسل کو بنی اسرائیل کہتے ہیں۔ پچھلے چار رکوعوں میں تمہیدی تقریر تھی جس کا خطاب تمام انسانوں کی طرف عام تھا۔ اب یہاں سے چودھویں رکوع تک مسلسل ایک تقریر اس قوم کو خطاب کرتے ہوئے چلتی ہے' جس میں کہیں کہیں عیسائیوں اور مشرکین عرب کی طرف بھی کلام کا رُخ پھر گیا ہے' اور موقع موقع سے ان لوگوں کو بھی خطاب کیا گیا ہے جو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت پر ایمان لائے تھے۔ اس تقریر کو پڑھتے ہوئے حسب ذیل باتوں کو خاص طور پر پیش نظر رکھنا چاہیے:

اوّلاً: اس کا منشا یہ ہے کہ پچھلے پیغمبروں کی امت میں جو تھوڑے بہت لوگ ابھی ایسے باقی ہیں جن میں خیر و صلاح کا عنصر موجود ہے' انہیں اس صداقت پر ایمان لانے اور اس کام میں شریک ہونے کی دعوت دی جائے' جس کے ساتھ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اٹھائے گئے تھے' اس لیے ان کو بتایا جا رہا ہے کہ یہ قرآن اور یہ نبی وہی پیغام اور وہی کام لے کر آیا ہے جو اس سے پہلے تمہارے انبیاء اور تمہارے پاس آنے والے صحیفے لائے تھے۔ پہلے یہ چیز تم کو دی گئی تھی تاکہ تم آپ بھی اس پر چلو اور دنیا کو بھی اس کی طرف بلانے اور اس پر چلانے کی کوشش کرو۔ مگر تم دنیا کی رہنمائی تو کیا کرتے' خود بھی اس ہدایت پر قائم نہ رہے اور بگڑتے چلے گئے۔ تمہاری تاریخ اور تمہاری قوم کی موجودہ اخلاقی و دینی حالت خود تمہارے بگاڑ پر گواہ ہے۔ اب اللہ نے وہی چیز دے کر اپنے ایک بندے کو بھیجا ہے اور وہی خدمت اس کے سپرد کی ہے۔ یہ کوئی بیگانہ اور اجنبی چیز نہیں ہے' تمہاری اپنی چیز ہے۔ لہٰذا جانتے بوجھتے حق کی مخالفت نہ کرو' بلکہ اسے قبول کرلو۔ جو کام تمہارے کرنے کا تھا' مگر تم نے نہ کیا' اسے کرنے کے لیے جو دوسرے لوگ اٹھے ہیں' ان کا ساتھ دو۔

ثانیاً: اس کا منشا عام یہودیوں پر حجت تمام کرنا اور صاف صاف ان کی دینی و اخلاقی حالت کو کھول کر رکھ دینا ہے۔ ان پر ثابت کیا جا رہا ہے کہ یہ وہی دین ہے' جو تمہارے انبیاء لے کر آئے تھے۔ اصولِ دین میں سے کوئی ایک چیز بھی ایسی نہیں ہے' جس میں قرآن کی تعلیم تورات کی تعلیم سے مختلف ہو۔ ان پر ثابت کیا جا رہا ہے کہ جو ہدایت تمہیں دی گئی تھی اس کی پیروی کرنے میں' اور جو رہنمائی کا منصب تمہیں دیا گیا تھا اس کا حق ادا کرنے میں تم بری طرح ناکام ہوئے ہو۔ اس کے ثبوت میں ایسے واقعات سے

استشہاد کیا گیا ہے جن کی تردید وہ نہ کر سکتے تھے۔ پھر جس طرح حق کو حق جاننے کے باوجود وہ اس کی مخالفت میں سازشوں' وسوسہ اندازیوں' کج بحثیوں اور مکاریوں سے کام لے رہے تھے' اور جن ترکیبوں سے وہ کوشش کر رہے تھے کہ کسی طرح محمد ﷺ کا مشن کامیاب نہ ہونے پائے' ان سب کی پردہ دری کی جارہی ہے' جس سے یہ بات عیاں ہوجاتی ہے کہ ان کی ظاہری مذہبیت محض ایک ڈھونگ ہے' جس کے نیچے دیانت اور حق پرستی کے بجائے ہٹ دھرمی' جاہلانہ عصبیت اور نفس پرستی کام کر رہی ہے اور حقیقت میں وہ یہ چاہتے ہی نہیں تھے کہ نیکی کا کوئی کام پھل پھول سکے۔ اس طرح اتمامِ حجت کرنے کا فائدہ یہ ہوا کہ ایک طرف خود اس قوم میں جو صالح عنصر تھا' اس کی آنکھیں کھل گئیں' دوسری طرف مدینے کے عوام پر اور بالعموم مشرکین عرب پر ان لوگوں کا جو مذہبی و اخلاقی اثر تھا' وہ ختم ہوگیا' اور تیسری طرف خود اپنے آپ کو بے نقاب دیکھ کر ان کی ہمتیں اتنی پست ہوگئیں کہ وہ اس جرأت کے ساتھ کبھی مقابلے میں کھڑے نہ ہوسکے جس کے ساتھ ایک وہ شخص کھڑا ہوتا ہے جسے اپنے حق پر ہونے کا یقین ہو۔

ثالثاً: پچھلے چار رکوعوں میں نوعِ انسانی کو دعوتِ عام دیتے ہوئے جو کچھ کہا گیا تھا' اسی کے سلسلے میں ایک خاص قوم کی معین مثال لے کر بتایا جارہا ہے کہ جو قوم خدا کی بھیجی ہوئی ہدایت سے منہ موڑتی ہے' اس کا انجام کیا ہوتا ہے۔ اس توضیح کے لیے تمام قوموں میں سے بنی اسرائیل کو منتخب کرنے کی وجہ یہ ہے کہ دنیا میں صرف یہی ایک قوم ہے جو مسلسل چار ہزار برس سے تمام اقوامِ عالم کے سامنے ایک زندہ نمونہ عبرت بنی ہوئی ہے۔ ہدایتِ الٰہی پر چلنے اور نہ چلنے سے جتنے نشیب و فراز کسی قوم کی زندگی میں رونما ہوسکتے ہیں وہ سب اس قوم کی عبرتناک سرگزشت میں نظر آجاتے ہیں۔

رابعاً: اس سے پیروانِ محمد ﷺ کو سبق دینا مقصود ہے کہ وہ اس انحطاط کے گڑھے میں گرنے سے بچیں جس میں پچھلے انبیاء کے پیرو گر گئے۔ یہودیوں کی اخلاقی کمزوریوں' مذہبی غلط فہمیوں اور اعتقادی و عملی گمراہیوں میں سے ایک ایک کی نشاندہی کر کے اس کے بالمقابل دینِ حق کے مقتضیات بیان کیے گئے ہیں تاکہ مسلمان اپنا راستہ صاف دیکھ سکیں اور غلط راہوں سے بچ کر چلیں۔'' (تفہیم القرآن' ج ۱' ص ۷۰' ۷۱)

مولانا مودودی کی مذکورہ بحث اس قدر مفصّل اور واضح ہے کہ اس پر مزید کچھ کہنے کی ضرورت نہیں ہے۔

اسی طرح اسلام کی مخالفت میں یہودیوں کے طرزِ عمل اور ان کی وسوسہ اندازیوں اور الزام تراشیوں کا سید مودودی مکمل نقشہ پیش کرتے ہیں' ان کی گاؤ سالہ پرستی' اور خدا کو ماننے کے سلسلہ میں ان کی شرائط کا تجزیہ کرتے ہیں' قتل انبیاء اور ان کے دوسرے جرائم کی تفصیلات سامنے لاتے ہیں اور خود بائبل کے حوالے دے کر ان کے کئی جرائم ثابت کرنے کے بعد تحریر فرماتے ہیں:

''یہ ہے اس قوم کی داستانِ جرائم کا ایک نہایت شرمناک باب جس کی طرف قرآن کی اس آیت میں مختصراً اشارہ کیا گیا ہے۔ اب یہ ظاہر ہے کہ جس قوم نے اپنے فساق و فجار کو سرداری و سربراہ کاری کے لیے اور اپنے صلحاء و ابرار کو جیل اور دار کے لیے پسند کیا ہو' اللہ تعالیٰ اس کو اپنی لعنت کے لیے پسند نہ کرتا تو آخر اور کیا کرتا۔'' (تفہیم القرآن' جلد ۱' ص ۸۲)

صاحبِ تفہیم اس امر کی بھی پوری وضاحت فرماتے ہیں کہ بنی اسرائیل قرآنی تعلیمات کا انکار کسی نادانی یا

غلط فہمی کی وجہ سے نہیں کر رہے تھے بلکہ ان کا یہ انکار دانستہ تھا۔ اصل میں وہ اپنی بداعمالیوں کے باعث راہِ راست سے اس قدر دور نکل گئے تھے کہ وہ نہ صرف طالب ہدایت نہیں رہے تھے بلکہ دشمن ہدایت بن گئے تھے۔ اس کی مثال قرآن نے سورۃ البقرۃ کی ۸۹ ویں آیت میں دی ہے جس کی تفسیر میں سید مودودی رقم طراز ہیں کہ:

''نبی ﷺ کی آمد سے پہلے یہودی بے چینی کے ساتھ اس نبی کے منتظر تھے جس کی بعثت کی پیشین گوئیاں ان کے انبیاء نے کی تھیں۔ دعائیں مانگا کرتے تھے کہ جلدی سے وہ آئے تو کفار کا غلبہ مٹے اور پھر ہمارے عروج کا دور شروع ہو۔ خود اہل مدینہ اس بات کے شاہد تھے کہ بعثتِ محمدیؐ سے پہلے یہی ان کے ہمسایہ یہودی آنے والے نبی کی امید پر جیا کرتے تھے اور ان کا آئے دن کا تکیۂ کلام یہی تھا کہ ''اچھا' اب تو جس جس کا جی چاہے ہم پر ظلم کر لے' جب وہ نبی آئے گا تو ہم ان سب ظالموں کو دیکھ لیں گے۔'' اہلِ مدینہ یہ باتیں سنے ہوئے تھے' اسی لیے جب انہیں نبی ﷺ کے حالات معلوم ہوئے تو انہوں نے آپس میں کہا کہ دیکھنا' کہیں یہ یہودی تم سے بازی نہ لے جائیں۔ چلو' پہلے ہم ہی اس نبی پر ایمان لے آئیں۔ مگر ان کے لیے یہ عجیب ماجرا تھا کہ وہی یہودی' جو آنے والے نبی کے انتظار میں گھڑیاں گن رہے تھے' اس کے آنے پر سب سے بڑھ کر اس کے مخالف بن گئے۔

اور یہ جو فرمایا کہ ''وہ اس کو پہچان بھی گئے'' تو اس کے متعدد ثبوت اُسی زمانے میں مل گئے تھے۔ سب سے زیادہ معتبر شہادت اُم المؤمنین حضرت صفیہ کی ہے' جو خود ایک بڑے یہودی عالم کی بیٹی اور ایک دوسرے عالم کی بھتیجی تھیں۔ وہ فرماتی ہیں کہ جب نبی ﷺ مدینے تشریف لائے' تو میرے باپ اور چچا دونوں آپؐ سے ملنے گئے۔ بڑی دیر تک آپؐ سے گفتگو کی۔ پھر جب گھر واپس آئے' تو میں نے اپنے کانوں سے ان دونوں کو یہ گفتگو کرتے سنا:

چچا: کیا واقعی یہ وہی نبی ہے' جس کی خبریں ہماری کتابوں میں دی گئی ہیں؟

والد: خدا کی قسم' ہاں۔

چچا: کیا تم کو اس کا یقین ہے؟

والد: ہاں۔

چچا: پھر کیا ارادہ ہے؟

والد: جب تک جان میں جان ہے' اس کی مخالفت کروں گا اور اس کی بات چلنے نہ دوں گا۔''

(تفہیم القرآن' ج ۱' ص ۹۳۔۹۴)

اس سے پہلے ذکر آ چکا ہے کہ سورۃ البقرۃ کے پانچویں رکوع سے چودھویں رکوع تک عموماً بنی اسرائیل کا تذکرہ ہے' اس کے بعد پندرھویں رکوع سے سورۃ کے آخر تک دیگر مسائل کے علاوہ بنی اسرائیل کا ذکر بھی کافی حد تک موجود ہے۔ اس حصہ کی تمہید میں سید مودودیؒ نے اس پورے حصہ کا خلاصہ پیش کیا ہے جو یہودیت' عیسائیت اور اسلام کے تقابلی مطالعہ کا موقع دیتا ہے۔ تفصیل کے طالب تفہیم کی پہلی جلد کے صفحات ۱۰۸ تا ۱۱۰ ملاحظہ کر سکتے ہیں۔

اس کے علاوہ قرآن پاک میں متعدد مقامات پر یہودیوں کا ذکر آیا ہے۔ ان کی بے راہ روی' حق سے

انحراف اوران کی دیگر گمراہیوں کی نشاندہی کر کے انہیں قبول حق کی دعوت دی گئی ہے۔مولانا مودودیؒ نے ایسے تمام مقامات پر انتہائی محققانہ معلومات درج فرمائی ہیں۔ایک محدود مقالہ یا مضمون میں ان سب کا احاطہ ممکن نہیں ہے اس کے لیے براہ راست تفہیم القرآن کا مطالعہ ناگزیر ہے۔ہم یہاں یہود کو چھوڑ کر بنی اسرائیل کی دوسری شاخ نصاریٰ کا کچھ ذکر کرنا چاہتے ہیں۔بنی اسرائیل کی ہدایت ورہنمائی کے لیے مختلف اوقات میں متعدد پیغمبر مبعوث ہوئے' اوران میں سے ہر ایک کی تعلیمات کو اس قوم نے ٹھکرا دیا۔جس کے نتیجہ میں بنی اسرائیل مختلف گروہوں میں بھی بٹے مگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانہ تک بہر حال وہ شدید باہمی اختلاف کے باوجود ایک قوم کی حیثیت سے جانے جاتے تھے۔حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا دور آیا تو جن لوگوں نے ان کی مخالفت کی' وہ اپنے دین یہودیت پر گامزن رہنے کے دعوے دار رہے اور جن لوگوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ساتھ دیا' انہیں نصاریٰ' نصرانی یا عیسائی کی اصطلاحات میں یاد کیا جانے لگا۔اس کی مثال قرآن نے ان الفاظ میں دی:

﴿فَنَادَتْهُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَهُوَ قَآئِمٌ يُّصَلِّيْ فِي الْمِحْرَابِ ۙ اَنَّ اللّٰهَ يُبَشِّرُكَ بِيَحْيٰى مُصَدِّقًا ۢ بِكَلِمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَسَيِّدًا وَّحَصُوْرًا وَّنَبِيًّا مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿٣٩﴾﴾ (آل عمران)

''فرشتوں نے آواز دی جبکہ وہ محراب میں کھڑا نماز پڑھ رہا تھا کہ اللہ تجھے یحییٰ کی خوشخبری دیتا ہے' وہ اللہ کی طرف سے ایک فرمان کی تصدیق کرنے والا بن کر آئے گا اور اس میں سرداری و بزرگی کی شان ہوگی' کمال درجہ کا ضابطہ ہوگا' نبوت سے سرفراز ہوگا اور صالحین میں سے ہوگا۔''

اس آیت میں حضرت یحییٰ علیہ السلام کا نام آیا ہے۔مولانا اس آیت کی تفسیر کے ضمن میں لکھتے ہیں کہ بائبل میں ان کا نام ''یوحنا بپتسمہ دینے والا'' (John The Baptist) لکھا ہے۔

لفظ کلمہ یا فرمان کے بارے میں سید مودودیؒ لکھتے ہیں:

''اللہ کے 'فرمان' سے مراد حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہیں۔چونکہ ان کی پیدائش اللہ تعالیٰ کے ایک غیر معمولی فرمان سے خرق عادت کے طور پر ہوئی تھی' اس لیے ان کو قرآن مجید میں 'کَلِمَةٌ مِّنَ اللّٰه' کہا گیا ہے۔''

مندرجہ بالا آیت اوراس کے بعد چند سطور میں جو بحث ہے' اس سے متعلق مولانا فرماتے ہیں:

''اس تقریر کا اصل مقصد عیسائیوں پر ان کے اس عقیدے کی غلطی واضح کرنا ہے کہ وہ مسیح علیہ السلام کو خدا کا بیٹا اور الٰہ سمجھتے ہیں۔تمہید میں حضرت یحییٰ علیہ السلام کا ذکر اس وجہ سے فرمایا گیا ہے کہ جس طرح مسیح علیہ السلام کی ولادت معجزانہ طریقہ سے ہوئی تھی اسی طرح ان سے چھ ہی مہینہ پہلے اُسی خاندان میں حضرت یحییٰ علیہ السلام کی پیدائش بھی ایک دوسری طرح کے معجزے سے ہو چکی تھی۔اس سے اللہ تعالیٰ عیسائیوں کو یہ سمجھانا چاہتا ہے کہ اگر یحییٰ کو ان کی اعجازی ولادت نے الٰہ نہیں بنایا تو مسیحؑ محض اپنی غیر معمولی پیدائش کے بل پر الٰہ کیسے ہو سکتے ہیں؟'' (تفہیم القرآن' جلد ا' ص ۲۵۰)

قرآن حکیم نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ کا نبی اور رسول قرار دیا ہے' جیسا کہ کہا جا چکا ہے کہ جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنی نبوت کا دعویٰ کیا تو بنی اسرائیل کے ایک گروہ (یہودیوں) نے ان کی نبوت کا انکار کر دیا۔یہ لوگ اس سے پیشتر بھی بہت سے نبیوں کو جھٹلا چکے تھے اور اس طرح ان کا انکار ایک قسم کا معمول بن چکا تھا جبکہ

یہودیوں کے مقابلہ میں بنی اسرائیل کے دوسرے گروہ (عیسائیوں) نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی نبوت ورسالت کی تصدیق تو کردی مگران کی عقیدت واحترام میں اس قدر غلواور مبالغہ آرائی سے کام لیا کہ الوہیت مسیح کا عقیدہ گھڑ لیا' یعنی دونوں گروہوں نے افراط وتفریط کا مظاہرہ کیا۔ جولوگ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی نبوت کا اقرار کرتے تھے' انہیں اپنی نبوت کا قائل کرنے کے لیے حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے جو کچھ کہا وہ سورۂ آل عمران' آیت ۴۹ تا ۵۱ میں بعینہٖ مذکور ہے۔

اس کی تفصیل وتشریح میں مولانا مودودیؒ لکھتے ہیں کہ مسیح علیہ السلام وہی دین لے کر آئے تھے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام اور دوسرے انبیاء علیہم السلام نے پیش کیا تھا۔ موجودہ اناجیل میں بھی واضح طور پر اس کے حوالے ملتے ہیں۔ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: تفہیم القرآن' ج ۱' ص ۲۵۴' ۲۵۵۔

پیغمبروں میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ذات گرامی اپنی خصوصیت کے اعتبار سے ایسی ہے کہ انہیں مسلمانوں کی طرح یہودی وعیسائی بھی اپنا مورثِ اعلیٰ تصور کرتے تھے لیکن ایک طرف وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اپنا مذہبی مورث اعلیٰ کہتے تھے اور دوسری طرف ہدایت ونجات کے لیے یہودیت ونصرانیت قبول کرنے پر زور دیتے تھے۔ زیرنظر مضمون میں یہودیت وعیسائیت کے تمام حوالے تفہیم القرآن کی پہلی جلد سے ماخوذ ہیں۔ اس بحث سے متعلق تفہیم کی دیگر پانچ جلدوں سے بھی استفادہ کیا جانا چاہیے۔ لیکن اس مختصر مضمون میں سب کا احاطہ انتہائی مشکل ہے اس لیے یہود ونصاریٰ کے ذکر کو مذکورہ چند اشارات پر چھوڑ کر دیگر ادیان کی ایک جھلک اور اس سلسلہ میں تفہیم القرآن کے اہم نکات پیش کیے جاتے ہیں۔

یہود ونصاریٰ کے علاوہ قرآن پاک نے جن قوموں کا تذکرہ کیا ہے ان میں صابئین' مجوس' اور مشرکین خاص طور پر شامل ہیں۔ قرآن مجید میں ان سب قوموں کا ذکر بایں الفاظ آیا ہے:

﴿اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِیْنَ هَادُوْا وَالصّٰبِـُٔوْنَ وَالنَّصٰرٰی وَالْمَجُوْسَ وَالَّذِیْنَ اَشْرَكُوْٓا ۗ اِنَّ اللّٰهَ یَفْصِلُ بَیْنَهُمْ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ شَهِیْدٌ ﴿۱۷﴾﴾ (الحج)

''جولوگ ایمان لائے اور جو یہودی ہوئے' اور ستارہ پرست' نصاریٰ ومجوس اور جن لوگوں نے شرک کیا' ان سب کے درمیان اللہ تعالیٰ قیامت کے روز فیصلہ فرمادے گا۔ یقیناً ہر چیز اللہ کی نظر میں ہے۔''

درج بالا آیت کریمہ میں جن ادیان کا ذکر آیا ہے سید مودودیؒ اس کی توضیح ایک ایک عنوان کے تحت کرتے ہیں' چنانچہ ''اَلَّذِیْنَ آمَنُوْا'' کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''یعنی ''مسلمان'' جنہوں نے اپنے اپنے زمانے میں خدا کے تمام انبیاء اور اس کی کتابوں کو مانا' اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں پچھلے انبیاء کے ساتھ آپؐ پر بھی ایمان لانا قبول کیا۔ ان میں صادق الایمان بھی شامل تھے اور وہ بھی تھے جو ماننے والوں میں شامل تو ہو جاتے تھے مگر ''کنارے'' پر رہ کر بندگی کرتے تھے اور کفر و ایمان کے درمیان مذبذب تھے۔'' (تفہیم القرآن' جلد ۳' ص ۲۱۰)

اَلَّذِیْنَ هَادُوْا کے ضمن میں مولانا لکھتے ہیں:

''یہ نہیں فرمایا کہ ''یہودی ہیں'' بلکہ فرمایا کہ ''یہودی بن گئے'' کیونکہ ابتداءً تو وہ بھی مسلمان ہی تھے جس طرح ہر

نبی کی اُمت اصل میں مسلمان ہوتی ہے مگر بعد میں وہ صرف یہودی بن کر رہ گئے۔'' (تفہیم القرآن جلد۱ ص ۳۵۷)

صابئ کے بارے میں مولانا کی یہ تحقیق لائق ملاحظہ ہے:

''صابئی کے نام سے قدیم زمانہ میں دو گروہ مشہور تھے۔ایک حضرت یحییٰ کے پیرو جو بالائی عراق (یعنی الجزیرہ) کے علاقہ میں اچھی خاصی تعداد میں پائے جاتے تھے اور حضرت یحییٰ کی پیروی میں اصطباغ کے طریقہ پر عمل کرتے تھے۔دوسرے ستارہ پرست لوگ' جو اپنے دین کو حضرت شیث اور حضرت ادریس علیہما السلام کی طرف منسوب کرتے تھے اور عناصر پر سیاروں اور سیاروں پر فرشتوں کی فرماں روائی کے قائل تھے۔ان کا مرکز حران تھا اور عراق کے مختلف حصوں میں ان کی شاخیں پھیلی ہوئی تھیں۔یہ دوسرا گروہ اپنے فلسفہ وسائنس اور فن طب کے کمالات کی وجہ سے زیادہ مشہور ہوا ہے۔لیکن اغلب یہ ہے کہ یہاں پہلا گروہ مراد ہے کیونکہ دوسرا گروہ غالباً نزولِ قرآن کے وقت اس نام سے موسوم نہ تھا۔'' (تفہیم القرآن' جلد۳' ص ۲۱۰)

نصاریٰ کی توضیح میں مولانا فرماتے ہیں:

''لوگوں کا یہ خیال غلط ہے کہ ''نصاریٰ'' کا لفظ ''ناصرہ'' سے ماخوذ ہے جو مسیح علیہ السلام کا وطن تھا۔دراصل اس کا ماخذ ''نصرت'' ہے' اور اس کی بنا وہ قول ہے جو مسیح علیہ السلام کے سوال مَنْ اَنْصَارِیْٓ اِلَی اللّٰہِ (اللہ کی راہ میں کون لوگ میرے مددگار ہیں؟ کے جواب میں حواریوں نے کہا تھا کہ ﴿نَحْنُ اَنْصَارُ اللّٰہِ﴾ (ہم اللہ کے کام میں مددگار ہیں)۔عیسائی مصنفین کو بالعموم محض ظاہری مشابہت دیکھ کر یہ غلط فہمی ہوئی کہ مسیحیت کی ابتدائی تاریخ میں ناصریہ (Nazarenes) کے نام سے جو ایک فرقہ پایا جاتا تھا اور جنہیں حقارت کے ساتھ ناصری اور ایبونی کہا جاتا تھا' انہی کے نام کو قرآن نے تمام عیسائیوں کے لیے استعمال کیا ہے۔لیکن یہاں قرآن صاف کہہ رہا ہے کہ انہوں نے خود کہا تھا کہ ہم ''نصاریٰ'' ہیں' اور یہ ظاہر ہے کہ عیسائیوں نے اپنا نام کبھی ناصری نہیں رکھا۔'' (تفہیم القرآن جلد۱' ص ۴۵۵)

مجوس کی تشریح کرتے ہوئے مولانا رقمطراز ہیں:

''یعنی ایران کے آتش پرست جو روشنی اور تاریکی کے دو خدا مانتے تھے اور اپنے آپ کو زردشت کا پیرو کہتے تھے۔ان کے مذہب و اخلاق کو مزدک کی گمراہیوں نے بری طرح مسخ کر کے رکھ دیا تھا' حتیٰ کہ سگی بہن سے نکاح تک ان میں رواج پا گیا تھا۔'' (تفہیم القرآن جلد۳' ص ۲۱۱)

الَّذِیْنَ اَشْرَکُوْا کے بارے میں فرماتے ہیں:

''یعنی عرب اور دوسرے ممالک کے مشرکین جو مذکورہ بالا گروہوں کی طرح کسی خاص نام سے موسوم نہ تھے۔قرآن مجید ان کو دوسرے گروہوں سے ممیز کرنے کے لیے مُشْرِکِیْن اور اَلَّذِیْنَ اَشْرَکُوْا کے اصطلاحی ناموں سے یاد کرتا ہے' اگرچہ اہلِ ایمان کے سوا باقی سب کے ہی عقائد و اعمال میں شرک داخل ہو چکا تھا۔'' (تفہیم القرآن' جلد۳' ص ۲۱۱)

اس طرح تمام ادیان و مذاہب کا تجزیہ کرنے کے ساتھ ساتھ سید مودودیؒ اسلام کی صداقت و حقانیت ثابت کرتے چلے جاتے ہیں۔ان کے نزدیک ابتدائے آفرینش سے اصل دین اسلام ہی تھا' دیگر مذاہب خدائی ہدایات کو نظر انداز کر دینے اور الٰہی تعلیمات کو مسخ کر دینے کا لازمی نتیجہ ہیں۔اپنے اس نقطہ نظر کو انہوں نے تفہیم

القرآن کے مقدمہ میں تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے۔ ملاحظہ ہو: مقدمہ تفہیم القرآن، ص ۱۷، ۱۸۔

قرآن پاک نے اہلِ ایمان کو پورے کے پورے اسلام میں داخل ہونے کا حکم دیا ہے، ارشاد ہے: ﴿یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا ادْخُلُوْا فِی السِّلْمِ كَآفَّةً﴾ (البقرۃ:۲۰۸) ''اے لوگو! جو ایمان لائے ہو پورے کے پورے اسلام میں آ جاؤ''۔ مذکورہ الفاظ کی تفسیر میں صاحبِ تفہیم لکھتے ہیں:

''کسی استثنا اور تحفظ کے بغیر اپنی پوری زندگی کو اسلام کے تحت لے آؤ۔ تمہارے خیالات، تمہارے نظریات، تمہارے علوم، تمہارے طور طریقے، تمہارے معاملات اور تمہاری سعی و عمل کے راستے سب کے سب بالکل تابع اسلام ہوں۔ ایسا نہ ہو کہ تم اپنی زندگی کو مختلف حصوں میں تقسیم کر کے بعض حصوں میں اسلام کی پیروی کرو اور بعض حصوں کو اس کی پیروی سے مستثنیٰ کر لو۔'' (تفہیم القرآن، جلد ۱، ص ۱۶۰)

اس دنیا میں کتنے ہی ادیان بنا لیے جائیں لیکن انسان کی نجات کے لیے صرف اسلام کی پیروی ضروری ہے۔ قرآن بصراحت کہتا ہے:

﴿وَمَنْ یَّبْتَغِ غَیْرَ الْاِسْلَامِ دِیْنًا فَلَنْ یُّقْبَلَ مِنْهُ ۚ وَهُوَ فِی الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِیْنَ﴾ (آل عمران)

''اور جو اسلام کے سوا کوئی اور طریقہ زندگی اختیار کرے گا، اس کا وہ طریقہ قابلِ قبول نہ ہوگا اور آخرت میں وہ ناکام و نامراد ہوگا۔''

اسلام درحقیقت انسانوں پر اللہ کا عظیم احسان ہے، قرآن میں ہے:

﴿فَمَنْ یُّرِدِ اللّٰهُ اَنْ یَّهْدِیَهٗ یَشْرَحْ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ ۚ﴾ (الانعام:۱۲۵)

''جسے اللہ ہدایت بخشنا چاہتا ہے تو اس کا سینہ اسلام کے لیے کھول دیتا ہے۔''

اس آیت کی تفسیر میں مولانا لکھتے ہیں:

''سینہ کھول دینے سے مراد اسلام کی صداقت پر پوری طرح مطمئن کر دینا اور شکوک و شبہات اور تذبذب و تردد کو دور کر دینا ہے۔'' (تفہیم القرآن، جلد ۱، ص ۵۸۰)

حاصل بحث یہ کہ تفہیم القران میں تقابل ادیان کا موضوع خصوصی شان کا حامل ہے۔ اس ضمن میں مولانا مودودیؒ نے اسرائیلی خرافات سے آلودہ روایات سے دینی لٹریچر خصوصاً تفسیری ادب کو پاک کرنے کا عظیم کارنامہ انجام دیا ہے۔ اہلِ ذوق کو اسلام کی حقانیت اور دیگر ادیان و مذاہب کی بے بضاعتی معلوم کرنے کے لیے اس معرکۃ الآراء تفسیر کا مطالعہ کرنا چاہیے۔

❁❁❁

قرآن حکیم کی مقدس آیات اور احادیث نبویؐ آپ کی دینی معلومات میں اضافے اور دعوت و تبلیغ کے لیے شائع کی جاتی ہیں۔ ان کا احترام آپ پر فرض ہے۔ لہٰذا جن صفحات پر یہ آیات درج ہیں ان کو صحیح اسلامی طریقے کے مطابق بے حرمتی سے محفوظ رکھیں۔